Urdu Research Journal
International refereed journal for Urdu
ISSN: 2348-3687, Vol. 3, Issue: 10th
Available on: www.urdulinks.com/urj

Topic: Chauthi ka joda.... By: Dr. Mushtaq Alam Qadri, Delhi, India

’چوتھی کا جوڑا‘ اصلاح کا ایک پہلو

ڈاکٹرمشتاق عالم قادری
شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی

ڈاکٹرانور سدید اردو ادب کی ’مختصر تاریخ‘ میں لکھتے ہیں ’۔’عصمت چغتائی کی شہرت میں عظمت کم اور حیرت زیادہ ہے‘‘۔ عصمت نے اپنے افسانوں میں رشید جہاں کے جذبات واحساسات کی نسوانی بغاوت کو پروان چڑھایااور اپنے افسانوں میں معاشرتی حقیقت نگاری کا فریضہ انجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ عزیز احمد کے مطابق:

’’ عصمت رجعت پسندانہ اورمریضانہ رجحان کی افسانہ نگار ہیں۔‘‘

انھوں نے اس عہد کے تہذیبی رویے سے انحراف کیاہے جس کی مثال ان کے یہ افسانے ہیں اورانحراف کی بہت سی مثالیں ان افسانوں میں موجود ہیں۔ان کے وہ افسانے جن میں اس دور کے تہذیبی رویے سے انحراف ملتاہے گیندا، فسادی، لحاف، پردے کے پیچھے، بہو بیٹیاں، بیکار، چوتھی کا جوڑااور دوہاتھ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عصمت اردو فکشن کی بے تاج بادشاہ ہیں۔انھوں نے مسلم معاشرے میں متوسط گھرانوں کی پردہ نشیں لڑکیوں کی ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں کو اوران سے جنم لینے والے مسائل کو بڑے سلیقے سے اپنے ناولوں اورافسانوں کا موضوع بنایاہے۔ان افسانوں میں چوتھی کا جوڑا ان کا مشہور افسانہ ہے جو ان کے جذبات، مشاہدات اوراحساسات کا فن کارانہ اظہار ہے۔اس شاہکار افسانے میں عصمت نے غریب اورلاچار سماج کی تصویر کشی کی ہے۔یہ درد بھری کہانی ایک مجبور، بے بس بیوہ اوراس کی دو بیٹیوں کی کہانی ہے۔بیوہ جو بی اماں کے کردار میں ہے، اس کو کپڑے سینے میں بڑی مہارت حاصل ہے اور یہی اس کا ذریعہ معاش بھی ہے۔محلے کی عورتیں نہ صرف ان سے کپڑے سلواتیں، بلکہ اس دوران اور بھی کئی مشورے لیتیں۔بڑی بیٹی کبریٰ اور چھوٹی حمیدہ ہے۔ عصمت اس ضمن میں لکھتی ہیں:

’’ٹاٹ کے پردے کے پیچھے ایک کی جوانی آخری سسکیاں لے رہی ہے اورایک نئی جوانی سانپ کے پھن کی طرح اٹھ رہی ہے۔‘‘

بی اماں وہ بدنصیب بیوہ ہے جو اپنی بیٹی کی شادی کے ارمان دل میں لیے چوتھی کے خوبصورت جوڑے کو تیار کرکے بڑی احتیاط اور حفاظت سے صندوق کے حوالے کردیتی ہے۔اس طرح خوبصورت جوڑے تیار ہوتے رہے لیکن وہ صرف صندوق ہی کی زینت بنتے رہے جیساکہ اکثر ہوتاہے۔ کبریٰ کے والد کے انتقال کے بعد دوست واحباب نے آنکھیں پھیر لیں اورلاکھ کوششوں کے باوجود غریب اور بے بس بیوہ کی بیٹی کو کوئی اپنانے کو تیار نہ ہوا۔لیکن ایک دن اچانک یوں ہواکہ کبریٰ کے منجھلے ماموں کا بڑا بیٹاراحت جس کا تقرر پولس میں ہوگیا تھاٹریننگ کے لیے آرہاتھا جیسے ہی یہ خبر بی اماں اور کبریٰ کو ہوئی ماںوان کے دل میں شہنائیاں بجنے لگتی ہیں،ان کو یقین کامل ہوجاتا ہے کہ بیٹی کا نصیب کھل گیاہے۔پروردگار عالم نے ان کی سن لی،اب ان کی تمام مشکلات کا مداوا ہوگیا۔وہ ایک نئے جوش اورجذبے کے ساتھ کبریٰ کا خوبصورت دوپٹہ تیار کرتی ہے ،اس دوران راحت کا پرتپاک خیر مقدم کیا جاتاہے اوروہ اپنے قیمتی زیوارت بیچ کراس کے آسائش وآرام اور خوردونوش کاانتظام کرتی ہے۔

بی اماں اور کبریٰ اپنی ساری امیدیں راحت سے وابستہ کرلیتی ہیں،ہزاروں ارمان دل میں لیے لیکن خاموشی سے اس کی خدمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑتی ہیں لیکن اسے خدمت کا صلہ کچھ یوں ملتاہے کہ ایک دن اچانک راحت یہ کہہ کر اپنارخت سفر باندھ لیتاہے کہ اس کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی ہے۔کبریٰ دق کے مرض میں مبتلاء ہوجاتی اورآہستہ آہستہ یہ مرض اسے مکمل اپنی گرفت میں لے لیتاہے۔اس طرح وہ بدنصیب اورنامراد کبریٰ جس کا ہاتھ تھامنے کوئی مرد اس لیے تیار نہ تھاکہ وہ جہیز میں ٹھوس کڑے یا بھرت پایوں کا پلنگ بھی نہیں لاسکتی تھی۔آخرکار موت اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے اوروہ بڑے سکون اوراطمینان کے ساتھ اپنے آپ کو موت کے حوالے کردیتی ہے۔وہ ماں جس نے بڑے ارمانوں سے چوتھی کے خوبصورت جوڑے تیارکیے تھے صبرو تحمل سے بیٹی کو کفن پہناتی ہے۔اس پورے واقعہ کو عصمت نے بڑے موثر اور دردمندانہ انداز میں پیش کیاہے جسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔افسانے میں انھوں نے مشاہدے کو نہ

صرف تصویر کی رنگینی کے ساتھ پیش کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ جذبے کا گداز بھی شامل ہے جس کی وجہ سے اسے نقش دوام حاصل ہوا۔وہ سر گوشی کے انداز میں کچھ کہنا چاہتی ہے۔افسانہ پڑھنے کے بعد عجیب وغریب کیفیت دیر تک قائم رہتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ عصمت نے انسانی زندگی کی تلخ حقیقتوں کو پیش کرنے میں بڑی مہارت سے کام لیا ہے۔ایک بیوہ کی زندگی کی تلخ حقیقت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے گھر میں دو جوان بیٹیاں ہوں اوران کے رشتوں کی تلاش سے بڑھ کر کوئی اہم مسئلہ ہو ہی نہیں سکتا۔انھوں نے افسانے میں ایک ماہر نفسیات کا کردار ادا کیا ہے اورانسانی فطرت کے پیچ وخم کا بڑی گہرائی اور گیرائی سے مشاہدہ کیا ہے۔انسانی زندگی میں چھوٹے چھوٹے کاموں اور ذہنی جذبات واحساسات کا گہرا دخل ہے۔وہ ظاہری حقیقت سے کہیں زیادہ اس کے پیچھے تہہ میں چھپی گہری حقیقت کی بہترین مصور ہیں۔وہ کرداروں کے ذہن وروح میں اتر کر ان کے ایک ایک راز کو جاننے اور آشکار کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔کبریٰ جس نے بظاہر اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہے کہ وہ کیا سوچتی ہے اور کیا چاہتی ہے جب راحت کے آنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سے کمرہ پوتتی ہے۔ہاتھ کی تکلیف اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔اس لیے کہ وہ اس کا اپنا ہونے والا ہے۔اس کے لیے اتنی تکلیف سہہ لینا تو معمولی بات ہے۔وہ راحت کی کس انداز سے خدمت کرتی ہے خود عصمت کے الفاظ میں دیکھیے:

”اور وہ راحت بھائی کے کمرے کو پلکوں سے جھاڑ تیں۔اس کے کپڑوں کو پیار سے تہہ کرتیں جیسے وہ کچھ ان سے کہتے ہوں،وہ ان کے بدبودار چوہوں جیسے سڑے ہوئے موزے دھوتیں،بُساندی بنیان اور ناک سے لتھڑے ہوئے رومال صاف کرتیں،اس کے تیل میں چپچپاتے ہوئے تکیے کے غلاف پر سوئٹ ڈریم کاڑھتیں۔“

عصمت کا کمال یہ ہے کہ الفاظ سے کہیں زیادہ احساسات سے اس افسانے کو نمایاں کیا ہے۔پوری کہانی میں کبریٰ کی آواز بہت کم سنائی دیتی ہے لیکن اس کی خاموشی ہی اس کی داستان بیان کرتی ہے۔وہ سر تا پا جذبات سے سرشار ہے لیکن اس کے اظہار کو گناہ سمجھتی ہے۔یہ سچ ہے کہ کردار نگاری محض لفظوں کے پل باندھ کر نہیں کی جاتی۔انھوں نے عورت کے مسائل کو عورت ہی کے زاویہ نگاہ سے دیکھنے اور سمجھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔مسلم سماج میں کنواری لڑکی کی نفسیات اوراس کی دکھتی رگوں پر جس طرح عصمت نے ہاتھ رکھا ہے شاید اس سے پہلے اردو افسانے کو یہ بات نصیب نہ ہوئی ہو۔کبریٰ کے جذبات سے تو ہم بخوبی واقف ہو جاتے ہیں لیکن بدنصیبی کے آگے وہ اپنے آپ کو بے بس اور مجبور محسوس کرتی ہے۔چھوٹی بہن حمیدہ کی زبانی ملاحظہ ہو:

”ان کا بس چلتا تو زمین کی چھاتی پھاڑ کر اپنے کنوارے پن کی لعنت سمیت اس میں سما جاتی“۔

یقین جانیے اس طرح کے دلخراش الفاظ ذہن پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں،یہ ایسے تجربات ہیں جن کو اس قدر سچائی اور شدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آپ بیتی کے بجائے جگ بیتی معلوم ہوتے ہیں۔عصمت نے مسلمانوں میں پھیلی اکثر برائیوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔برائیاں بے نقاب کرنے کا ان کا مقصد صرف اور صرف ان برائیوں کا مداوا کرنا مقصود تھا۔افسانہ میں جو پختہ کاری ہے،اس نے مصنفہ کو افسانہ نگاری کی دنیا سے نکال کر معاشرے کے اہم مسائل کی تہہ تک پہنچا دیا ہے کہ وہ سماج سے یہ مطالبہ کرنا چاہتی ہیں کہ لڑکیوں کو کم از کم اتنی تعلیم دی جانی چاہیے کہ وہ کسی کے رحم وکرم پر نہ رہیں بلکہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکیں اور وقت ضرورت انھیں کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔اس ضمن میں حمیدہ ایک جگہ کچھ اس طرح سوچتی ہے:

”کیا میری آپا مرد کی بھوکی ہے؟نہیں وہ بھوک کے احساس سے پہلے ہی سہم چکی ہے،مرد کا تصور اس کے ذہن میں ایک امنگ بن کر نہیں ابھرا بلکہ روٹی کپڑے کا سوال بن کر ابھرا ہے،وہ ایک بیوہ کی چھاتی کو بوجھ ہے،اس بوجھ کو ڈھکیلنا ہی ہوگا“۔

عصمت نے خود اس افسانے کے متعلق کہا تھا کہ میرا مقصد سماج کو اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ روٹی اور کپڑے کے لیے عورت مرد کی محتاج نہ رہے۔افسانے کا فن اس قدر نازک ہوتا ہے کہ وہ تبلیغ کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔جب کبھی افسانہ نگار قصہ گوئی کے فن کو ترک کر کے معلم اخلاق بننے کی کوشش کرتا ہے تو فن کی بارگاہ میں لائق تعزیر ٹھہرایا جاتا ہے لیکن اس افسانے میں عصمت لائق تعزیر نہیں بلکہ لائق تعظیم نظر آتی ہے کہ اصلاحی درس کے باوجود ان کا فن پھیکا اور بے مزہ نہیں ہوتا،جن حالات سے متاثر ہو کر عصمت نے یہ افسانہ لکھا اور جس گھر کی چہار دیواری کو اپنا خاص ماحول بنا کر ان کرداروں کو پیش کیا گیا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے جس کا انھوں نے بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے۔غیر ضروری تفصیلات سے گریز کیا ہے،اسی لیے ان کے فن میں کمی محسوس نہیں ہوتی،ہندوستان جیسے عظیم ملک میں سب سے بڑی بیماری غربت کو واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔سماج میں عورتوں کے حرکات،ان کی گفتگو جو مخصوص موقعوں پر سامنے آتی ہیں،بی اماں اوران کی منہ بولی بہن کی کھسر پھسر کو بڑی مہارت اور چابک دستی سے پیش کیا ہے۔رمزیت اور طنزیاتی انداز قابل تعریف ہے،مصنفہ کا طنز چھپا ہوا اور بھرپور ہوتا ہے۔افسانے میں کئی ایسے طنزیاتی جملے ملتے ہیں گویا انھوں نے ان جملوں کے ذریعے اپنے دل کا غبار نکال لیا ہے۔مثلاً:

”میرا جی چاہا کہ اس کا منہ نوچ لوں،کمینے مٹی کے تودے یہ سوئٹر ان ہاتھوں نے بنے ہیں جو جیتے جاگتے غلام ہیں،اس کے ایک ایک پھندے میں کسی نصیبوں جلی کی گردنیں پھنسی ہوئی ہیں،یہ ان ہاتھوں کا بنا ہوا ہے جو ننھے پنگورے جھلانے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ان کو تھام لو،گدھے کہیں کے۔۔۔انھیں پیانوں پر رقص کرنا نہیں سکھایا گیا،انھیں پھولوں سے کھیلنا نہیں نصیب ہوا مگر یہ ہاتھ تمہارے جسم پر چربی چڑھانے کے لیے صبح سے شام تک سلائی کرتے ہیں،صابون اور سوڈے میں ڈبکیاں لگاتے ہیں،چولھے کی آنچ

سہتے ہیں، تمھاری غلاظتیں دھوتے ہیں تاکہ تم اجلے، چٹے بگلا بھگتی کا
ڈھونگ رچائے رہو، محنت نے ان میں زخم ڈال دیے ہیں، ان میں
کبھی چوڑیاں نہیں کھنکتی ہیں۔"

اس طرح کے اور بھی بہت سے جملے افسانے میں بکھرے پڑے ہیں۔ زبان وبیان کے اعتبار سے بھی یہ افسانہ قابل توجہ ہے، اس کی نثر اپنے اندر بے ساختگی اور تیکھے پن کے علاوہ تخلیقی جوہر بھی رکھتی ہے۔ افسانہ نگار کو الفاظ کے انتخاب میں غیر معمولی احتیاط سے کام لیناپڑتا ہے۔ اس بات کو انھوں نے پوری طرح ملحوظ خاطر رکھا ہے، جیساکہ افسانے میں بیان کیا گیا ہے کہ کبریٰ تکیے کے غلاف پر گل بوٹے کاڑھتی ہیں تو اس میں وہ لطف باقی نہیں رہتا جو سوئٹ ڈریم کاڑھنے میں ہے، کیوں کہ کبریٰ جو سہانے سپنے دیکھا کرتی، اسی مناسبت سے یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہے اور زبان صرف الفاظ کا کام ہی نہیں کرتی بلکہ زبان میں لب ولہجہ اور طرزِ ادا سب کچھ شامل ہے۔ اس ضمن میں بی اماں اور ان کی منہ بولی بہن کی گفتگو سنیے:

"اے نوج خدانہ کرے جو مری لونڈیا آنکھیں لڑائیں۔ اس کا آنچل بھی نہیں دیکھا ہے کسی نے، بی اماں فخر سے کہتیں، اے توپردہ تڑوانے کو کون کہے ہے، بی آپا کے پکے آنسوؤں کو دیکھ کر انھیں بی اماں کی دوراندیشی کی داد دینی پڑتی۔ اے بہن تم تو سچ مچ میں بہت بھولی ہو۔ یہ میں کب کہوں ہوں۔ یہ چھوٹی نگوڑی کون سی بقرہ عید کو کام آئے گی۔"

افسانے میں الفاظ، تشبیہات اور علامات کا نیا استعمال ملتا ہے۔ ان الفاظ سے اور نفسیات سے قاری لطف اندوز ہوتا ہے۔ تشبیہ کی یہ صورت بظاہر بڑی عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے۔

افسانے میں کچھ الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جو صرف اور صرف عورتوں کی معاشرتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ویسے تو یہ الفاظ بارہا سنے معلوم ہوتے ہیں لیکن جب ان الفاظ کو تخلیقی قوتوں سے سجایا جاتا ہے تو انھیں احساسات وجذبات کا جامہ پہنانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے لیکن عصمت نے ان تمام مشکل کاموں کو بڑی کامیابی اور کامران سے طے کیا ہے۔ کبریٰ کے انتقال کے بعد بی اماں کے جذبات کو جس طرح پیش کیا ہے اس کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے:

"اور پھر اسی سہ دری میں چوکی پر صاف ستھری جازم بچھائی گئی۔ محلے کی بہو بیٹیاں جڑیں، کفن کا سفید سفید لٹھا۔ موت کے آنچ کی طرح بی اماں کے سامنے پھیل گیا۔ تحمل کے بوجھ سے ان کا چہرہ لرز رہا تھا، بائیں ابرو پھڑک رہی تھی، گالوں کی سنسان جھریاں بائیں بائیں کر رہی تھیں، جیسے ان میں لاکھوں اژدہے پھنکار رہے ہوں، لٹھے کے کان تھان نکال کر انھوں نے جو تہیہ کیا، ان کے دل میں ان گنت قینچیاں چل گئیں۔"

بقول انور سدید:

" عصمت چغتائی بنیادی طور پر عورت کے معاشرے کی مشاہدہ بیں اور اس کی حقیقت نگار ہیں، انھوں نے عورت کے داخلی جذبوں اور سماجی کردار کو اجاگر کیا۔"

مختصر یہ کہ یہ افسانہ اپنی تمام تر قوتِ مشاہدہ، نفسیات اور جذبات کی عملی حقیقت، موزوں طرز بیاں، دلچسپ مواد اور اس کے فنکارانہ اظہار کی وجہ سے ہمیشہ اردو افسانے کی صف اول میں اپنی تمام تر کامیابیوں اور کامرانیوں کے ساتھ شمار ہوتا رہے گا۔ میں اپنی بات غالب کے اس شعر پر مکمل کرتا ہوں جو مجھے اس موقعے پر موزوں معلوم ہوتا ہے۔

نہ گل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز @@@

ڈاکٹر عزیز احمد کی کتاب
ابن کنول بحیثیت افسانہ نگار
اب Amazon.in پر دستیاب ہے۔
قیمت صرف 65 روپے (ڈاک خرچ مفت)
خواہش مند حضرات امیزون کی ویب سائٹ یا ایپ پر جا کر
Ibne kanwal لکھ کر تلاش کریں۔